محسوسات کا شاعر: زبیرالحسن غافل

خان محمد رضوان
ریسرچ اسکالر، دہلی یونیورسٹی

میں جانتا ہوں تمہارا وعدہ فریب ہے اور کچھ نہیں ہے
مگر ہمارا بھی ظرف دیکھو فریب کھا کر بہل گئے ہیں

زبیرالحسن غافل کا یہ شعر ایک بڑی سچائی کے کتنا قریب ہے، یہ محل غور وفکر ہے- یہ فریب خوردہ دنیا جس کے فریب میں انسان بہت حد تک اسیر ہے، اس پر فریب دنیا سے کوئی انسان بغیر فریب کھائے کیسے گزر سکتا ہے؟

سچ تو یہی ہے کہ دنیاداروں کے لیے یہ ایک فریب ہے اور مومن کے لیے دارالعمل۔ اس لیے ہمارے بننے بگڑنے اور ہماری خوشحالی و بدحالی میں قصور دنیا کا نہیں بلکہ ہماری کوتاہ عملی کا ہے- چوں کہ ہماری اکثریت اچھے اور برے کی تمیز سے بے بہرہ ہے، نفع اور نقصان سے بے نیاز اور فطری حس سے محروم ہوتی چلی جارہی ہے- جب کہ ایک ادیب اور شاعر کا سب سے بنیادی آلہ اس کا احساس ہوتا ہے، کہ وہ جس ملک اور جس سماج میں رہتا ہے اس کے متعلق وہ کیا سوچتا ہے- وہ خود اپنے تئیں کیا سوچتا ہے، اس کے محسوسات کی دنیا کیا کہتی ہے-

ایک سچا شاعر نہ صرف دنیا پر نظر رکھتا ہے بلکہ اس کی پہلی نظر اپنی ذات پر پڑتی ہے، وہ اپنی ذات کو پڑھنے کے ساتھ اپنے گردوپیش کا مطالعہ کرتا ہے، سماجی اور سیاسی حالات کا جائزہ لیتا ہے، انسان اور انسان کی جبلتوں کا باریک بینی سے مطالعہ کرتا ہے، اور سماج و معاشرے میں در

آنے والی تبدیلیوں کے مثبت اور منفی دونوں پہلوؤں سے اس کا غیر جانب دارانہ جائزہ پیش کرتا ہے۔
زبیر الحسن غافل نے بھی اپنے گرد و پیش کا بہت ہی قریب سے مطالعہ کیا، اور ناپید ہوتی تہذیب پر اپنا کرب بیان کیا ہے۔نمونے کے چند اشعار ملاحظہ کریں:

سوال یہ نہیں کیوں قتل ہو گیا میرا
سوال یہ ہے کہ الزام کس کے سر آئے

.....

وہی بستی وہی چہرے مگر ایسی فضا بدلی
کہ سب کے ہاتھ میں خنجر ہے کس کو آشنا کہیے

.....

شرم آنکھوں سے رخ سے حیا لے گئی
جانے تہذیب نو اور کیا لے گئی

.....

پھر پکی فصلوں کی صورت کاٹ کر لے جائے گا
جانے یہ موسم جنوں کا کتنے سر لے جائے گا

.....

مرے قتل کا کیا سبب ہوا یہ بحث یار فضول ہے
چلو دفن کر دو کہیں مجھے مری مغفرت کی دعا کرو

.....

ان اشعار کا اگر ہم غائر مطالعہ کریں تو ہمیں محسوس ہوگا کہ ان میں شاعر نے اپنے سوزِ جگر اور سوزش جگر دونوں کو سمو کر رکھ دیا ہے۔غم والم اور یہ کرب شاعر کو صرف اپنی ذات کا ہی نہیں بلکہ زوال آمادہ تہذیب و معاشرت کا بھی ہے۔

سماج و معاشرے میں پھیلی بے حیائی و عریانیت، ظلم و جبر، انارکی، خود غرضی، بے مروتی، قتل و غارت گری، بیوفائی اور تہذیبی قدروں کی زبوں حالی کو دیکھنے اور محسوس کرنے کے بعد شاعر

مجبور ہوا کہ اپنے مشاہدات ومحسوسات اور باطنی کرب کو قلم بند کرے-

زبیرالحسن غافل نے اپنے احساسات کو بڑی خوب صورتی اور ہنرمندی کے ساتھ رقم کیا ہے- یہ وہ احساسات ہیں جو انسانی دنیا کی حقائق ہیں، جس کو محسوس کر کے حساس طبیعت شاعر بے چین ہو جاتا ہے، اور اس کا باطن اسے مجبور کرتا ہے کہ وہ اس بے ترتیب زندگی کے خلاف آواز بلند کرے- دراصل یہ انسانی فطرت اور نفسیاتی معاملہ بھی ہے، ماہرین نفسیات جانتے ہیں کہ انسانی نفسیات کس طرح سماجی اتھل پتھل سے بیدار ہوتی ہے، جو لوگ اپنے اس انسانی اور فطری عمل کو دبا کر رکھتے ہیں اور سماج ومعاشرے میں روز بروز پروان چڑھ رہے غیر فطری رویہ کے خلاف اپنا ردعمل ظاہر کرتے گویا وہ انسانی اور طبعی میلانات کو کچل دیتے ہیں جو کہ فطرت کے عین خلاف ہے- انسانی فطرت یہ نہیں ہے کہ ہر سرد وگرم کو گوارا کر لیا جائے بلکہ یہ ہے کہ اس کے احساس کا اظہار بھی کرایا جائے-

وہ ذات میں اپنی خود اک محفل رنگیں ہے
وہ شخص مجھے کتنا تنہا نظر آتا ہے

.....

یہ شور، یہ ظلمت یہ بھاگتے سائے
تمہارا ہاتھ نہ ہوتا تو ڈر گئے ہوتے

.....

کس کو فرصت تھی جو دیتا مرے قاتل کا پتہ
لاش ہم اپنی لیے کاندھے پہ پھرتے ہی رہے

.....

کل تک زمیں پہ تھا جو خداؤں کی طرح
آج اس کو دیکھیے کہ خلا میں بکھر گیا

.....

مذکورہ بالا اشعار میں زبیرالحسن غافل نے نفسیات کے طالب علم کی صورت میں انسانی

نفسیات کا مطالعہ پیش کیا ہے،انسانی فطرت کواس طور پر بے نقاب کیا ہے کہ انسان کی اپنی ذات، اس کا علم،اس کا عمل،اس کی دولت،اس کی بیوی اوراس کے بچے ہی اس کا سرمایہ ہیں باقی یہ سب جو ہم دیکھ رہے ہیں صرف نظر کا دھوکا ہے،انسان تنہا آتا ہے اور تنہا چلا جاتا ہے، یہ دنیا تو صرف دھوکے کی ٹٹی ہے،نظر کا فریب ہے- دوسرے شعر میں ایک روشن حقیقت کی جانب سے ہمارا ذہن مبذول کرنے کی سعی کی ہے کہ یہ دنیا اوراس دنیا کا ہاؤ ہو بس ایک تماشہ ہے اور کچھ نہیں-اسی طرح تیسرے اور چوتھے شعر میں بھی اہم مسائل اور ازلی حقیقت کی جانب اشارہ ہے کہ انسان اپنے دکھ کا خود مداوا ہے دنیا اور وسائل دنیا اس کا مداوا نہیں بن سکتیں، کیوں کہ اقبال علیہ الرحمہ نے کہا تھا کہ:

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی

'یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے'-

انسانی سوچ جب تک فطرت سے ہم آہنگ نہیں ہوگی تب تک انسان مسائل ومشکلات سے دوچار رہوتا رہے گا-ضروری ہے کہ انسان اپنے احساس کو زندہ کرے کیونکہ

جب یہ حس مرجاتی ہے تو پھر انسان ایک لاشہ کی مانند ہوجاتا ہے، پھر سرد وگرم کا اس بے حس انسان پر کچھ بھی اثر نہیں ہوتا-اور پھر وہ اپنے موافق اور ناموافق ہر طرح کے حالات کو گوارا کرتا چلا جاتا ہے-اور یہی انسان کی طبعی موت ہے-

احساس ہی انسان کو زبان عطا کرتا ہے،ایک شاعر اسی احساس کے سہارے اپنی باطنی کیفیات کو قلم بند کرتا ہے-احساس انسان کا زیور ہے،

احساس نہ ہو تو زندہ اور مردہ میں کیا فرق ہے؟احساس ہی نہ ہو تو ایک بے حس انسان اور ایک حساس انسان میں آپ کیسے تمیز کریں گے؟

زندگی کی ایک سچی اور بڑی حقیقت احساس ذات وکائنات ہے- اور یہی ایک شاعر اور ادیب کا جوہر ہے-سائنس اور ٹیکنالوجی خواہ کتنی ہی ترقی کیوں نہ کر جائیں لیکن ہماری شاندار ماضی کی یادوں پر خاک نہیں ڈال سکتیں،آج کے اس گلوبلائز دنیا میں بھی ہر انسان کا ماضی اس کے سامنے ہے، وہ اپنے ماضی کے لوٹنے کا آرزومند ہے، وہ اپنے ماضی میں پھر سے جینا چاہتا ہے اور

ہرانسان اپنے ماضی کو اتنا ہی شدت سے یاد کرتا ہے جتنا اس کا ماضی روشن اور تابناک تھا- بلکہ زمانہ ہمیشہ سے گردش میں ہے اور یہ بعید نہیں کہ دنیا اپنی خرابی حالات کے بعد اپنے ماضی کی روایات پر لوٹ آئے چونکہ سائنس انسان کی صرف وقتی ضرورت ہے دائمی نہیں-اور سائنس کے ذریعہ وجود میں آنے والی اختراعات وایجادات فطرت کا تقاضا ہیں عین فطرت نہیں- دراصل مادیت نے انسان کو اپنی فطرت اور اصلیت سے کوسوں دور کردیا ہے، جب کہ مادہ انسان کی صرف ضرورت ہے، کل نہیں ہے، جس طرح ایک شاعر اپنے باطن کی تسکین کے لیے شاعری کرتا ہے، اس کا مطلب یہ نہیں کہ شاعری ہی اس کا باطن ہے بلکہ شاعری تو اس کے باطن کے احساسات کی صرف ترجمان ہے-

شاعر نے اپنے باطن میں ڈوب کر اپنے رب سے کس طرح دست طلب دراز کیا ہے، یہ اشعار باطن کے احساس کی خوب صورت دلیل ہیں، حمد کے دو شعر ملاحظہ کیجیے:

اتنی ہمت مجھے خدا دیدے
غم اٹھانے کا حوصلہ دے دے

.....

میرے جذبات چھین لے مجھ سے
میرے احساس کو فنا دیدے

.....

حمد یہ کلام کا یہ وہ اسلوب بیان اور انداز طلب ہے جو مسائل حیات اور مسائل روزگار کی خوب صورت عکاس ہیں- زبیر الحسن غافل نے سنجیدہ کلام کے ساتھ طنزیہ ومزاحیہ کلام بھی کہے ہیں بلکہ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ وہ بنیادی طور پر طنز ومزاح کے ہی شاعر تھے، حقانی القاسمی نے اپنے ایک مضمون "صرصر الجھتی صبا: زبیر الحسن غافل کا تخلیقی مدوجزر" جو کہ غافل کے شعری مجموعہ کلام "اجنبی شہر" میں شامل ہے لکھا ہے کہ:

غافل (زبیر الحسن) بنیادی طور پر طنز ومزاح نگار اور ضمیر جعفری، دلاور فگار، سید محمد جعفری، شوق بہرائچی، شہباز امروہوی، ماچس لکھنوی، ٹی این راز، ساغر خیامی، رضا نقوی واہی،

بلال سیوہاروی، کے سلسل ?الذہب کی ایک اہم کڑی ہیں"

فن شاعری کوئی آسان فن نہیں، یہ مشکل ترین کاموں میں سے ایک ہے، انسانی زندگی میں کچھ کام ایسے ہیں جو مکمل طور پر سنجیدگی، متانت، ظرافت اور زود حسی کے طلب گار ہوتے ہیں ان میں ایک طنز و مزاح ہے- کمال فن یہ ہے کہ شاعر ہنرمندی، چابک دستی اور ذہانت سے کام لے کر مزاح کے ساتھ طنز کا پہلو پیدا کرے- اس فن میں شاعر کو بیک وقت دو کام لینے ہوتے ہیں ایک ہے طنز اور ایک ہے مزاح اور دونوں ہی مشکل ترین کام ہیں- عموما اس طرح کی شاعری کو آسان، عام فہم اور سہل کام تصور کیا جاتا ہے، اور سمجھا جاتا ہے کہ یہ کوئی غیر سنجیدہ کام ہے بلکہ میں سمجھتا ہوں کہ یہ سنجیدہ کام سے بھی زیادہ مشکل ہے، کیوں کہ اس میں سنجیدگی کے ساتھ طنز اور مزاح پیدا کرنا ہوتا ہے-

زبیر الحسن غافل نے اس کام کو بحسن وخوبی کر کے دکھایا ہے- ان کی ایک نظم ہے "مسئلہ "اس کے اشعار بطور نمونہ پیش کرتا ہوں ملاحظہ کریں:

بھاؤ آٹے دال کا معلوم ہوگا تب میاں
رکن ہاؤس کی بنیں گی جب گھریلو بیویاں
عورتوں کے ہاتھ میں جب اقتدا آجائے گا
گھر کے اندر قید پھر مردوں کو رکھا جائے گا
جا نہیں سکتی کچن میں کوئی بھی خاتون اب
پاس ہوگا دیش میں ایسا ہی اک قانون اب
بیویوں کے آگے اپنا سر اٹھا سکتا نہیں
حکم ان پر اب کوئی شوہر چلا سکتا نہیں
لازمی سینا پرونا ہوگا لڑکوں کو اگر
لڑکیوں کو سیکھنا ہوگا سیاست کا ہنر
اب تلک کی مانگ لڑکوں سے کریں گی لڑکیاں
نان ونفقہ پائے گا بیوی سے اب اس کا میاں

مرد ہی اب سے کریں گے عورتوں کے سارے کام
چھین لیں گی عورتیں اب مرد سے ان کا مقام
الغرض الٹا ہی سارا معاملہ ہو جائے گا
دردِ زہ سہنا ہے کس کو مسئلہ ہو جائے گا

.....

اس نظم میں شاعر نے صارفیت اور سماجی و معاشرتی نظام، ذہنی اور فکری میلان پر زبردست ضرب لگائی ہے-قرآن میں مرد کو قوام کہا گیا ہے،یعنی مرد کو عورتوں کے بالمقابل ساختیاتی اعتبار سے قدر مختلف پیدا کیا گیا ہے- ویسے بھی عورتوں کو مردوں کے مقابلےمیں ذہنی اور جسمانی اعتبار سے حساس، نازک اندام،اور پرکشش بنایا گیا ہے،مگر فیمینسٹ ذہنیت کے حاملین اسے عورتوں کی کمزوری سے تعبیر کرتے ہیں جو کہ سراسر غلط اور کج فہمی پر مبنی ہے،-یہی وجہ ہے کہ حقوق نسواں کی علم بردار تحریکیں عورتوں کو مردوں کے بالمقابل لا کھڑا کرنا چاہتی ہیں،جس کی وجہ سے آج سماجی انتشار آسمان پر پہنچ چکا ہے،عورتوں میں احساس برتری اس قدر پیدا کرنے کی کوشش کی گئی کہ آج عورتیں اپنے عضو نازک کو مردوں کے عضو خاص سے مبدل کر رہی ہیں، اپنے جسم کو عریاں کرنا فیشن سمجھنے لگی ہیں،نتیجتاً حیا بے حیائی میں بدل گئی اور زیادہ تر عورتیں مردوں کی طرح آزاد اور بیلگام رہنے کی آرزو میں تنہا رہنے لگیں، جو کہ ہندوستانی تہذیب اور معاشرت کے مغائر ہے-شاعر نے ایسی ذہنیت رکھنے والوں پر طنز کے تیر و نشتر چلائے ہیں اور نہایت سنجیدگی سے ان کی تضحیک بھی کی ہے-

زبیر الحسن غافل نے سماج کا گہرائی سے مطالعہ کیا ہے،یہی وجہ ہے کہ وہ معاشرے کی ایک ایک چیز پر باریکی کیساتھ نظر رکھتے ہیں-ان کے یہاں طنز اور مزاح صرف تفریح طبع کی غرض سے نہیں ہے بلکہ تعمیری اور اصلاحی غرض سے برتے گئے ہیں-اس ضمن میں قطعہ کے اشعار ملاحظہ کیجے:

شیخ جی جب سے میونسپلٹی کے ممبر ہو گئے
دیکھتے ہی دیکھتے ان کا مقدر پھر گیا

ایک بھی تنکا کہیں رہنے نہ پائے اس لیے
شہر میں جھاڑو پھرا ڈاڑھی پہ ریزر پھر گیا

.....

گو پرانا ہے مقولہ پھر بھی کتنا سچ ہے یہ
اس کی سچائی میں ہرگز ہو نہیں سکتا کلام
اسپ سرکش ہو کہ ہوں ارباب اقتدار
دونوں کے واسطے ہے ضروری مگر لگام

.....

غافل کی خاص بات یہ کہ معاملہ چاہے سیاسی ہو یا سماجی اسے سنجیدگی کے ساتھ شعر کے قالب میں ڈھال دیتے ہیں، اور مضحک پہلوؤں میں بھی اصلاحی پہلو تلاش کر لیتے ہیں- دراصل یہ مشکل عمل ہے کہ شاعر بے خوف ہو کر سماج کے مختلف پہلوؤں کو اپنے حیطہ احساس کا حصہ بنائے- یہ وہی شاعر کر سکتا ہے جو حساس ہونے کے ساتھ زیرک بھی ہو تا کہ ان تمام سیاسی اور معاشرتی مسائل کو من وعن پیش کر سکے- دلیل کے طور پر میں یہاں ان کی نظم "نام پر دھرم کے کٹ جاتے ہیں لاکھوں گردن"
کے چند اشعار پیش کرتا ہوں:

ہم نے سوچا تھا کہ جمہور کا مطلب ہے یہی
کوئی انسان نہ توڑے گا کبھی بھوک سے دم
عصمتیں اب نہ بکیں گی کہیں روٹی کے عوض
گیت افلاس کے چھیڑے گا نہ شاعر کا قلم
مفلسی آج بھی اگتی ہے یہاں کھیتوں میں
نام پر دھرم کے کٹ جاتے ہیں لاکھوں گردن
مخملیں فرش کہیں بچھتے ہیں ایوانوں میں
لاش انسان کی رہ جاتی ہے بے گور وکفن

آج بھی ملک میں ہر روز کروڑوں انساں
کھردرے فرش پہ سو جاتے ہیں آکاش تلے
کوئی گھر کوئی آنگن نہیں جن کی تقدیر
زندگی آج بھی ہے ایک سزا جن کے لیے
کل جو جائز تھا وہی رسم کہن آج بھی ہے
تھا جن ہاتھوں میں کبھی دیش کا دھن آج بھی ہے

.....

زبیر الحسن غافل کا شعری مجموعہ "اجنبی شہر" پڑھ کر دلی خوشی ہوئی-اور احساس ہوا کہ انھوں نے اپنی روایت کی پاسداری کرتے ہوئے اپنے شعری سفر کو جاری رکھا- یہی نہیں بلکہ کلاسیکی روایات کی توسیع کا فریضہ انجام دیا ہے-خواہ سنجیدہ شاعری ہو، طنزیہ یا مزاحیہ شاعری ہو یا پھر پیروڈی-ہر میدان میں مستحسن سعی کی ہے-

پیروڈی کا آغاز اودھ پنچ سے ہوا تھا اور یہی دور اس کا سنہری دور بھی تھا-موجودہ عہد میں پیروڈیکل شاعری کی حالت زار پر ہنسی تک نہیں آتی-مگر ایسے ناگفتہ بہ دور میں بھی غافل نے اپنے بزرگوں کے نقش قدم پر چلتے ہوئے طنز و مزاح کی زریں روایات کی توسیع کی عمدہ کوشش کی ہے-انھوں نے غالب، اقبال اور مجروح کی شاعری کی پیروڈی کر کے شعری رویے کو نہ صرف پر لطف بنایا ہے بلکہ ان کے کلام میں تازگی اور چاشنی پیدا کر دی ہے-زبیر الحسن غافل لائق ستائش ہیں کہ انھوں نے فنون لطیفہ کے جس فن کو بھی مس کیا اس کے نباہ کی حتی الوسع سعی کی ہے-

☆☆☆